ĪQĀN (9) Vol. 05, No. 01, Dec-2022

BY

eISSN: 2617-3336
pISSN: 2617-3700

OPEN ACCESS

نصِ قرآنی کی فہم میں قدیم عربی لہجات کا کردار

The Role of Ancient Arabic Dialects in Comprehension of Textual Monograph of Qur'ān

Dr Muhammad Tariq Ramzan[1] < mtariqramzan@gmail.com >
Dr Muhamad Haroon[2] < drharoonuos@gmail.com >
Dr. Amir Hayat[3] < amirhayat5817@gmail.com >

[1]*Assistant Professor, Department of Islamic Studies, The University of Lahore (Sargodha Campus)*
[2]*Lecturer, Govt. Associate College 75 SB Sargodha*
[3]*Assistant Professor, Institute of Arabic and Islamic Studies, Government College Women University, Sialkot, Pakistan*

ABSTRACT

It is a natural phenomenon that languages spoken worldwide, have varied manners and dialects within them. The Arabic language that 'Allah almighty has chosen as the standard-bearer of Islam to spread His message and communicator of the Qur'ān is similar to other languages, having different dialectical variations occurring from the changes among accents, intonations, and geographical conditions of the Arab. Such changes in the *Qur'ānic* recitation are called *Qir'āt*. These are different on the basis of lexical, phonetical, linguistic, morphological, and syntactical manners permitted with reciting the *Qur'ān*. Each *Qir'āt* has its own certain rules of recitation and variations in words and letters. It is believed that renowned different dialects belong to the different tribes, which include *Quraīsh, Hudhaīl, Tamīm, Hawāzin, Thaqīf, Kinānah* and *Yemen*. The wisdom behind this, was to make *Qur'ānic* recitation and memorization easier for the indigenous tribes who speak Arabic differently. These dialects were reduced to one, that of the *Quraīsh*, during the rule of third caliph *Ḥazrat 'Uthmān ibn 'Affān* (d. 656 AD/35 AH) since variant styles of readings had the potential to cause divisions among Muslim *Ummah* in understanding of the message of Qur'ān. It must be kept in view that *Qir'āt* must not be confused with the actual

Received:
16-Dec-22
Accepted:
12-Jan-22
Online:
14-Jan-22

KEYWORDS
Role of Dialects, Comprehension, Qur'ān, Message, jurisprudential discourse

Qur'ānic verses. *Qir'āt* does not change the verse of the *Qur'ān*, it is just how it is read *Qur'ān*. This paper is the study of how variant readings of *Qur'ān* be useful for comprehension of message of *Qur'ān* and what is the impact of these variant reading of *Qur'ān* on Islamic jurisprudential discourse.

قرآن حکیم لغت قریش میں نازل ہوا اور عرب قبائل کے فصیح و بلیغ لہجات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ صحابہ کرامؓ کا متعدد لہجات میں پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں ان متعدد لہجات پر قرآت کا اطلاق بھی ہوتا تھا۔ حدیث عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان ہے فقرأ القراء ة سمعته یقرأه (ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہی قرأۃ پڑھی جو میں نے اسے پڑھتے ہوئے سنا تھا)۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ جملہ موجود ہے: فقرأ قرأة انکرتها علیه (ایک شخص مسجد میں آیا اور ایسی قرآت پڑھی جو مجھے اجنبی لگی) گویا لہجات اور قراءات مترادف کے طور پر مستعمل تھے۔ لہجات کے اعتبار سے قراءات متواترہ میں اس بات پر تو امت کا اجماع ہے کہ ان کی اجازت کا بنیادی مقصد تخفیف عن الامت ہے اور یہ تخفیف جہاں تلاوت میں ہے کہ ادغام و اظہار، تحقیق و تسہیل، حذف و اثبات سے پڑھا جا سکتا ہے تو وہاں تخفیف قراءات سے اخذ کیے جانے والے مسائل میں بھی ہے اور یہی دین اسلام کے آسان، کشادہ اور وسیع دین ہونے کا راز ہے۔[1]

لہجات عرب، قراءات اور ضرورت:

نص قرآنی کی فہم میں قدیم عربی لہجات کا اہم کردار ہے اسی بناء پر قراءات کا اختلاف ہے جو دراصل وجوہ اداء کا اختلاف ہے۔ اس لیے متعدد قراءات میں باہم تضاد اور تناقص نہیں ہے چاہے وہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی یا اس کے پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ اس نوعیت کے اختلاف کلمات میں کسی زمان و مکان، حالات و اطوار کے اختلاف کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کو اختلاف روایت کہا جاتا ہے اور اسی کے بارے میں کله حق و صوابٌ (یعنی سب حق اور درست ہے) کہا جاتا ہے اور یہ شعبہ قراء کا ہے اس کے برعکس مفاہیم کے اختلافات میں جس کی اساس اجتہاد ہے اور اس اختلاف میں حالات زمانہ کی رعایت، جغرافیائی تبدیلیوں اور حالت و اطوار کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ عملی شکل کسی طرف قابل عمل ہے تو دوسرے عرب میں اس کا قابل عمل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس نوعیت کو اختلاف درایت کہا جاتا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ رای امام صواب یحتمل ورای غیرہ خطا یحتمل صواب (ایک امام کی رائے درست ہے مگر خطا کا احتمال ہے اور

[1] مکی ابن ابی طالب، الکشف عن وجوہ القراء السبع وعللھا و حججھا، تحقیق ڈاکٹر محی الدین رمضان، (قاہرہ: داراحیاء الکتب العربیہ، 1411ھ)، ص:208

CC BY

دوسرے امام کی رائے خطا پر مبنی ہے لیکن صحیح ہونے کا احتمال ہے۔) یہ شعبہ فقہا کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ اور حالات کی تغیرات کی بناء پر نئے نئے مسائل اور قوانین مستنبط ہوتے رہے۔ اختلاف کی ان دو نوعیتوں کے بارے میں ہشام بن عبید اللہ رازی حنفی (201ھ) فرماتے ہیں: من لّم یعرف اختلاف الفقھا فلیس لفقیہ و من لّم یعرف اختلاف القراء فلیس لقاری۔[1] (جو شخص فقہا کے اختلاف کو نہیں جانتا وہ فقیہ نہیں ہے اور جو قراء کے اختلاف کو نہیں جانتا وہ قاری نہیں ہے۔) قراء کا اختلاف فقہا کے اختلاف سے مختلف ہے۔ قراء کا اختلاف سارے کا سارا حق اور درست ہے۔ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس پر کوئی شک نہیں ہے جب کہ فقہاء کا اختلاف اجتہادی ہے۔ ہر مذہب دوسرے کی نسبت سے درست ہے لیکن خطا کا احتمال رکھتا ہے۔ وجوہ قراءات کے جاننے کا اہم ترین فائدہ متعدد احکام کا استنباط ہے۔ فقہا کے ہاں قراءات متواترہ کے حجت ہونے اور ان سے مسئلہ مستنبط کرنے میں کسی کے ہاں قابل ذکر اختلاف نہیں پایا جاتا البتہ بعض صورتوں میں استنباط کے اصول میں اختلاف ہے۔[2]

سابقہ کام کا جائزہ:

قراءات پر مشتمل روایات کا ایک معتد بہا حصہ متقدمین مفسرین کے ہاں دستیاب ہے۔ جن میں سے چند مشہور نام یہ ہے:

(1) الطبری(320ھ) کی تفسیر جامع البیان عن تاویل ای القرآن

(2) الجصاص (380ھ) کی تفسیر احکام القرآن

(3) الآلوسی (1280ھ) کی تفسیر روح المعانی وغیرہ۔

اسی طرح محدثین نے بھی قراءات کے موضوع پر مستقل ابواب قایم کیے ہیں۔ ان سے بڑھ کر فقہا کرام نے آیات احکام میں قراءات متواترہ، مشہورہ اور شاذہ سے احکام استنباط کیے ہیں۔

اس حوالہ سے حال ہی میں پی ایچ ڈی کی سطح پر حافظ تاج افسر صاحب کا مقالہ "قران حکیم کی وجوہ قراءات (رسم عثمانی میں ان کی رعایت اور استنباط احکام پر ان کے اثرات)" پر کام ہوا ہے۔ جس میں مصاحف عثمانی کی روشنی میں قراءات کی حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے۔ نیز قراءات اور رسم عثمانی کے متعلق شکوک وشبہات کا مستشرقین کی تاریخ اور ان کے اہداف کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فقہائے کرام کے اصول استنباط کو واضح کرنے کے ساتھ ان اصولوں کو استخراج کردہ مثالوں سے ثابت کیا گیا ہے۔

[1] القرطبی، ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، (بیروت: دارالمعرفۃ، 1402ھ)، ص: 391

[2] ایضاً، ص370-388

CC BY

اسی طرح اس موضوع پر ایم فل کی سطح پر بھی کچھ کام ہوا ہے: "اختلاف قراءات اور نظریہ تحریف قرآن" کے نام سے ڈاکٹر محمد فیروز الدین شاہ کھگہ کا ایم فل کا مقالہ ہے۔ جو اگرچہ متنوع علمی مضامین جیسا کہ قراءات کی حقیقت و حجیت، حدیث سبعہ احرف کی استنادی حیثیت اور ان کے معنیٰ و مفہوم کو متعین کرنا وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ لیکن یہ مقالہ دراصل قراءات کے بارے میں مستشرقین کے نظریات کے تحقیقی جائزہ پر مشتمل ہے۔ خاص طور پر گولڈ زیہر، اور آرتھر جیفری کے اختلافی قراءات قرآنیہ سے پیدا کردہ شبہات کے علمی جائزے پر مشتمل ہے۔

"قراءات شاذہ شرعی حیثیت اور تفسیر وفقہ پر اثرات"۔ جناب محمد اسلم صدیق نے ایم فل کا مقالہ لکھا ہے۔ 2006ء میں پہلی مرتبہ شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی سے یہ کتاب چھپی ہے۔ قراءات متواترہ و مشہورہ ان کا موضوع نہیں لھٰذا اس جہت سے بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال تحقیق:

موضوع تحقیق کے بنیادی سوال کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

1۔ قدیم عربی لہجات اور قراءات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

2۔ نص قرآنی کے فہم میں ان کا کردار کیا ہے؟

فرضیہ تحقیق:

موضوع کی تحقیق کے لیے درج ذیل فرضیات قائم کیے گئے ہیں:

1۔ قراءات قرآنی، لغات ولہجات کی پیداوار اور فروعات ہیں۔

2۔ قراءات توقیفی ہیں اور ان کا تفسیر اور فقہ میں واضح کردار ہے۔

قراءات کی اقسام:

اہل علم کے ہاں قراءات کی دو تقسیمات زیر بحث رہی ہیں:

1۔ استدلال کے اعتبار سے

2۔ سند کے اعتبار سے

استدلال کے اعتبار سے قراءات کی دو قسمیں ہیں:

CC BY

الف: متفق علیہ

متفق علیہ وہ قراءت ہے جس کو یکساں طور پر تلاوت کیا جاتا ہے البتہ اس سے استنباط کرنے میں فقہا کرام کا اختلاف ہے۔ جیسے وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ[1] اس میں لفظ قروء کی تلاوت میں اختلاف نہیں صرف استنباط کرنے میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اس سے حیض مراد لیتے ہیں اور شافعیہ اس سے طُہر مراد لیتے ہیں۔

ب: مختلف فیہ

مختلف فیہ سے مراد یہ ہے کہ کلمہ کی تلاوت میں اختلاف ہے اور استنباط کا اختلاف قراءات کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ جیسے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ[2] اس آیت سے ایک فریق نے مسح علی الرجلین لیا ہے پہلے فریق کا استدلال وارجلکم بکسر لام سے ہے کہ یہ عطف کے اعتبار سے مسح میں داخل ہے جب کہ دوسرے فریق کا استدلال وارجلکم بفتح اللام سے ہے کہ اس کا عطف اعضا مغسولہ پر ہے۔

سند کے اعتبار سے قراءات کی چار قسمیں ہے: (1) متواتر (2) ملحق بالتواتر (3) مشہور (4) شاذ

قراءات متواترہ:

قراءت متواترہ سے مراد وہ قراءات ہیں جن کو ہر دور میں نقل کرنے والے قراء کی اتنی بڑی جماعت ہو جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ جیسے قراء سبعہ سے منقول اصول قراءات جیسے میم جمع اور ھائے ضمیر کا صلہ، ادغام کبیر اور امالہ وغیرہ[3]

قراءات ملحق بالتواتر:

ملحق بالتواتر وہ قراءات ہیں جو شہرت کے اعتبار سے متواتر کے درجہ تک پہنچی ہو لیکن سند میں موجود راویوں کا ضبط اور اتقان متواتر سے کم درجہ کا ہو جیسے قراء کے ہاں مفرد کلمات میں اختلاف۔ ملحق بالتواتر کی یہ اصطلاح ابن الجزریؒ سے منقول ہے۔ اور یہ قراءات مشہور سے الگ اور مستقل اصطلاح ہے یا اس سے مراد وہ قراءات ہیں جو نقل کے اعتبار سے تو مشہور ہیں لیکن تلقی بالقبول حاصل ہونے کی وجہ سے وہ متواتر

---

[1] البقرہ 228:02

[2] المائدہ 6:05

[3] ابن الجزری، شمس الدین أبو الخیر، منجد المقرئین ومرشد الطالبین، تحقیق علی عبد القدوس الوزیر، (بیروت: مکتبۃ ابن تیمیہ، 1999ء)، ص: 16

CC BY

کے قریب پہنچ گئیں۔[1]

قراءات مشہورہ:

قراءات مشہورہ کی اصطلاح فقہا احناف کے ہاں مستعمل ہے۔ قراء کے ہاں اس کا ذکر عام نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تمام کلمات تفسیریہ احناف کے ہاں مشہور کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: وقراءته لا تكون دون خبر يرويه و قد كان مشـهورا الى عهد ابى حنيفةؒ و بالخبر المشـهور تثبت الزيادة على النص[2] (ابن مسعودؓ کی قرأت خبر مشہور سے کم نہیں ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے دور تک مشہور رہی اور خبر مشہور کے ساتھ نص قرآنی پر زیادتی جائز ہے۔)

قراءات شاذہ:

قراء کی اصطلاح میں قراءات شاذہ وہ ہوتی ہیں جن کو تدوین مصاحف کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لیے نکال دیا تھا کہ قرآن حکیم کا متن محفوظ ہو جائے۔ دراصل قراءات شاذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال تفسیریہ تھے۔ اور مختلف صحابہؓ کے ہاں درس و تدریس میں معمول بِہا تھے۔ اس لیے ان کو الگ کر دیا گیا۔[3]

قراءات شاذہ کو معلوم کرنے کا طریقہ:

قراءات شاذہ کو معلوم کرنے کے دو طریقے معروف ہیں:

پہلا طریقہ: ہر وہ قراءات جس میں درج ذیل شرائط میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو تو وہ شاذ ہے:[4]

1) قواعد عربیہ کے مطابق ہو

2) مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق ہو

3) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح و متصل سند سے ثابت ہو[5]

---

[1] ایضاً

[2] السرخسی، أحمد بن أبي سهل، اصول السرخسی، تحقیق ابو الوفا الافغانی، (بیروت: دار المعرفة، 1973ء)، ج1، ص:269

[3] الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، (بیروت: دار احیاء القرآت العربی، 1422ھ)، ص:179

[4] المقدسی، ابو شامہ، المرشد الوجیز، (ریاض: دار عالم الکتب، 1417ھ)، ج1، ص:14

[5] الدانی، ابو عمرو، عثمان بن سعید، التعریف فی اختلاف الرواة عن نافع، (مصر: مكتبة التجارية، 1374ھ / 1955ء)، ص:78

CC BY

ان شرائط کے بارے میں علامہ ابن الجزریؒ فرماتے ہیں:"کل قراء ۃ وافقت العربیۃ ولو بوجه و واقفت احد المصاحف العثمانیہ ولو احتمالاً و اصح سندھا[1]"(ہر وہ قرأت جو لغت عربی کی کسی وجہ کے ساتھ موافق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، اگرچہ یہ موافقت احتمالی ہو، نیز اس کی سند صحیح ہو)

دوسرا طریقہ: قراءات عشرہ یعنی قراءات سبعہ اور ان کے ساتھ یعقوب، خلف اور ابو جعفر کی تین قراءات کے علاوہ باقی شاذ ہیں۔اس بارے میں علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:"والمعروف انھا، ای القراء ۃ الشاذۃ ما وراء السبعۃ و الصواب ما وراء العشر وھی ثلاثۃ آخر یعقوب و خلف و ابو جعفر یزید بن القعقاع۔ فالقول بان ھذہ الثلاثۃ غیر متواترہ ضعیف جداً[2]"(مشہور یہ ہے کہ قراءات سبعہ کے علاوہ سب قراءات شاذہ ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ قراءات عشرہ یعنی قرأات سبعہ اور ان کے ساتھ یعقوب، خلف اور ابو جعفر کی تین قراءات کے علاوہ باقی شاذ ہیں اور یہ قول کہ یہ تین قراء تین متواتر نہیں ہیں، انتہائی ضعیف ہیں)

قراءات شاذہ کی اقسام:

مذکورہ بالا دونوں طریقوں سے بطور نتیجہ کے حاصل شدہ قراءات شاذہ کی چند اقسام ہیں:

1۔وہ قراءات جس کی سند صحیح ہے اور کسی عربی وجہ کے بھی موافق ہے اور مصاحف عثمانیہؓ میں سے کسی ایک کے رسم الخط کے بھی موافق ہو۔ لیکن اس کا ثبوت بطور تواتر کے نہ ہو۔ جیسے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءات اِمَّا تَأتِیَنَّکُم رُسُلٌ مِّنکُم[3] اس میں متواتر قرأت **اِمَّا یَأتِیَنَّکُم رُسُلٌ مِّنکُم** ہے۔

2۔ بعض قراءات ایسی ہیں جن کی اسانید صحیح ہیں لیکن وہ قرآن نہیں ہیں بلکہ بعض صحابہ کرامؓ دوران تلاوت کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کے لیے کچھ کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے جن کو اصطلاح میں 'مدرج' کہا جاتا ہے۔ جیسے سعد بن ابی وقاصؓ کی قراءات میں وَلَہٗ اَخٌ اَوْ اُختٌ مِّن اُمٍ[4] میں من ام کے الفاظ ہیں۔

3۔ کچھ قراءات ایسی ہیں جو رسم الخط اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہیں لیکن ان کی اسناد بالکل نہیں ہیں ایسی قرأت شاذہ کو اصطلاح

---

[1] ابن الجزری، منجد المقرئین و مرشد الطالبین، ص:15

[2] الزرکشی، بدر الدین، محمد بن بھادر بن عبداللہ، البحر المحیط فی اصول الفقہ، (قاہرہ: دار الکتب، 2003ء)، ج1، ص:474

[3] ابن جنی، ابو الفتح عثمان، المحتسب، دراسۃ و تحقیق محمد عبد القادر عطا، (قاہرہ: دار الکتب العلمیہ، 1997ء)، ج1، ص:247

[4] الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القران، تحقیق احمد محمد شاکر، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2000ء)، ج5، ص:20

CC BY

میں 'مکذوبہ' کہا جاتا ہے۔1

4۔ایسی قراءات شاذہ بھی ہیں جن کی سند صحیح ہو اور لغت عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو لیکن رسم الخط کے مطابق نہ ہو جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قراءت **وَ كَانَ اَمَامُهُم مَلِكٌ يَّاخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ 'صَالِحَةٍ' غَصۡبًا وَّاَمَّا الۡغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا** [2]۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی قرأت: **يٰۤاَيُّهَاالنَّبِىُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ فِی قَبۡلِ عِدَّتِهِنَّ (الطلاق 65 :1)**[3]

5۔وہ قرأت جس کی سند صحیح نہ ہو پھر عام ہے کہ وہ رسم الخط اور لغت عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قرأت بالاتفاق ضعیف اور مردود شمار ہو گی۔علامہ سیوطیؒ ان تمام قراءات کو موضوع قرار دیتے ہیں جیسے ابن السیفع اور ابو السمال وغیرہ کی قراءات نُنَجِّیکَ بِبَدَنِکَ کے بجائے نُنجِیکَ بِبَدَنِکَ اور لِتَکُونَ لِمَن خَلَفَکَ اٰیَۃ کے بجائے خَلَفَکَ، لام کے فتح کے ساتھ۔4اسی طرح کچھ وہ قراءات جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں 5 جو کہ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی نے یہ قراءات ایک کتاب میں جمع کر کے امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کر دیں۔ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ابو العلا الواسطی نے کہا ہے کہ میں نے امام دار قطنیؒ اور علماء کی ایک جماعت کی تحریرات دیکھیں۔جن میں یہ صراحت تھی کہ یہ کتاب موضوع اور خود ساختہ ہے۔ان میں سے ایک قراءات اِنَّمَا یَخشَی اللہُ مِن عِبَادِہِ العُلَمَاءَ 6 لفظ 'اللہ' کی رفعی حالت اور لفظ 'العلماء' کی نصبی حالت کے ساتھ ہے۔یہ قراءات اکثر مفسرین کے ہاں رائج ہو گئی ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اس سے بری الذمہ ہیں 7۔

6۔کچھ قراءات ایسی ہیں جن کی اسناد صحیح ہیں اور وہ رسم الخط کے بھی مطابق ہیں لیکن لغت عرب کے مخالف ہیں۔یہ سب سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہے۔کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قراءات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور پھر وہ لغت عرب کے

---

[1] ابن الجزری، منجد المقرئین ومرشد الطالبین، ص:17

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (بیروت: دار ابن کثیر، 1423ھ)، کتاب التفسیر واذا قال موسیٰ، الکہف ج18، ص:79-80، رقم 4725

[3] القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، (قاہرہ: دار الحدیث، 1991ء)، کتاب الطلاق، رقم:1471

[4] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، الاتقان، (ریاض: در الباز مکہ المکرمہ، 1416ھ / 1996ء)، ج1، ص:77

[5] مقدسی، نظور الأسالیب النثریہ فی الأدب العربی، (بیروت: القدس والمکتب الاسلامی، 1992ء)، ج1، ص:16

[6] الفاطر 28:35

[7] مقدسی، نظور الأسالیب النثریہ فی الأدب العربی، ج1، ص:17

مخالف ہو۔ جیسے خارجہ عن نافع کی روایت 'معائش' ہمزہ کے ساتھ [1]۔اسی طرح ابن بکار عن ایوب بن یحییٰ عن ابن عامر کی روایت 'ادریٰ اَ قریب' ہمزہ اور یا کے فتح کے ساتھ۔ اسی طرح ابو علی العطاء کی روایت عن العباس عن ابی عمر، ساحران تظاھرا (ظا کی تشدید کے ساتھ) کو اسی قبیل سے قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسی تمام قرءات سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہیں۔ لھٰذا قابل رد ہیں۔[2]

منسوخ قراءات:

یہ وہ قسم ہے جو عرب قبائل کی آسانی کے لیے جائز تھیں اب ان کے درست اداء پر قادر ہونے کی وجہ سے اجازت اٹھالی گئی۔ جیسے بنو ھذیل کا "حتی حین" کو" عتی عین" پڑھنا[3]۔ اور یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہی میں ہوا۔ جن حضرات نے قراءات شاذہ اور منسوخہ کے درمیان فرق کا اعتبار نہیں کیا تو انھوں نے زمانہ شذوذ عرضۂ اخیرہ کو قرار دیا اور جس نے قرأت شاذہ کو ایک خاص اصطلاح کے تناظر میں دیکھا اور لغوی معنی کے ساتھ مطابقت دی تو اس نے زمانہ شذوذ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو قرار دیا اور عرضۂ اخیرہ کو قراءات منسوخہ کی پہچان قرار دیا۔ اس معنی میں شذوذ کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف لکھوانے سے ہوا جب کہ منسوخی عرضۂ اخیرہ میں ہوئیں اور اس سے منسوخ و شاذ کا فرق واضح ہو گیا۔ ابن الجزریؒ کی تعریف سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے۔[4]

علم تفسیر میں قراءات متواترہ سے استفادہ کے اصول:

قرآن حکیم کی تفسیر کے سلسلہ میں متواتر قراءات ایک اہم ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کو نظر انداز کرنا قرآن کریم کے ایک حصہ کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے اور دو متواتر قراءات مفسرین اور فقہا کے نزدیک دو آیات کی طرح ہیں ان میں سے کسی ایک قرأت کا انکار قرآن کی آیت کا انکار ہے۔ اگر دو متواتر قراءات میں تعارض آجائے تو ان میں سے ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دینا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ قراءات کے سلسلہ میں نزولی تقدم و تاخر معلوم کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لھٰذا دونوں میں تطبیق کی صورت نکالنا ضروری ہو گا۔ لیکن شاذ قرأت کسی متواتر قرأت کے معارض ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔

قرأت کا زیادہ ہونا 'اختلاف تعدد' ہے۔ اختلاف تضاد نہیں۔ کوئی متواتر قرأت ایسی نہیں جس سے تضاد لازم آتا ہو۔ اگر ظاہری

---

[1] ابن مجاہد، القراءات السبعۃ، (مصر: دار الکتب الحدیثیہ، 1413ھ)، ص:278

[2] ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، تصحیح و مراجعۃ علی محمد الضباع، (مصر: مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، 1402ھ)، ج1، ص:16

[3] رزق الطویل، ڈاکٹر، السید، فی علوم القراءات: مدخل ودراسۃ وتحقیق، (بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، 1403ھ)، ص:59-60

[4] ابن الجزری، منجد المقرئین، ص:16-17

CC BY

تعارض ہو تو وہ دراصل 'اختلاف تعدد' ہے تا کہ اختصار کے ساتھ ایک ہی آیت کی دو قرأت سے دو مختلف احکام ثابت ہو سکیں۔

تفسیری اعتبار سے قراء تیں اولاً دو قسم پر ہیں: ایک وہ جن سے تفسیر پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا اور زیادہ قراء تیں اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسری قسم وہ جن کا تفسیر پر کچھ نہ کچھ اثر واقع ہوتا ہے۔ پھر ان میں بعض قراء تیں اس نوعیت کی ہیں کہ ان سے تفسیری معانی میں مزید وضاحت اور توسیع پیدا ہوتی ہے یا کوئی اشکال یا ابہام دور ہو جاتا ہے۔ لیکن بہر حال ان کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے۔ جب کہ بعض قراء تیں ایسی ہیں کہ ایک قراءت کا مفہوم و مصداق دوسری قراءت سے بالکل مختلف ہوتا ہے لٰہذا دونوں قراءتوں سے دو مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یا ایک ہی حکم کی دو ممکنہ صورتیں سامنے آجاتی ہیں۔

قراءات کے اختلاف کی وجہ سے کبھی معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ وہ متواتر قراءتوں میں بعض کو بعض پر معنوی اعتبار سے ترجیح دیتے ہیں یا بعض اوقات کسی قرأت کو رد کرتے ہیں لیکن جمہور مفسرین و علما نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے۔ کیونکہ جو قراءات متواتر ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔[1]

تفسیر میں متواتر قراءات کی قبولیت کا معیار:

تفسیر میں قراءاتِ متواترہ کی قبولیت میں جمہور علماء میں سے کسی کا اختلاف نہیں ملتا۔ البتہ دو مختلف المعنی قراءتوں میں ترجیح وغیرہ کا رجحان پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن جریر طبریؒ کا طرز عمل متواتر قراءات میں راجح و مرجوح قرار دینے کا رہا ہے۔ لیکن جمہور مفسرین نے اس طرز عمل کو ناپسند کیا ہے۔ بعض علماء نے امام طبریؒ کو اس اعتبار سے معذور مانا ہے کہ قراءات متواترہ کی تدوین کا زمانہ امام طبریؒ کے بعد کا ہے۔ لٰہذا امام طبریؒ کے سامنے متواتر و غیر متواتر میں امتیاز کے وہ معیارات نہیں تھے جو ائمہ قراءات نے متعین کئے تھے۔ چنانچہ امام جصاصؒ قراءات متواترہ کے قبولیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهاتان القراء تان قد نزل بهما القرآن جميعاً و نقلتها الائمة تلقيا من رسول االله صلى االله عليه وسلم[2]"

اور یہ دونوں قراء تیں ایسی ہیں کہ قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امت نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے۔

علامہ ابن حاجبؒ فرماتے ہیں: "القراءات السبع متواتر لو لم تکن متواترہ لکان بعض القرآن غیر متواترٍ کملک وملک ونحوھا۔ و تخصیص

[1] ابن الجزری، منجد المقرئین، ص:22

[2] الجصاص، احکام القرآن، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ)، باب غسل الرجلین، ج2، ص:433

CC BY

اَحدھما تحکم باطل لاستوائھما"[1](سات قراءتیں متواتر ہیں۔ اگر یہ متواتر نہ ہوں تو قرآن کا بعض حصہ غیر متواتر بن جائے گا۔ جیسے مَلک اور مُلک اور اس طرح کی اور قرأتیں۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی تخصیص کرنا سینہ زوری ہے (باطل فیصلہ ہے) اس لیے کہ یہ دونوں برابر ہیں)۔ علامہ شوکانی 'ارشاد الفحول' میں لکھتے ہیں:

"الحاصل، ان ما اشتمل علیھا المصحف الشریف واتفق علیہ القراء المشھورون فھو قرآن، وما اختلفو فیہ فان احتمل رسم المصحف قراء ۃ کل واحد من المختلفین مع مطابقتھا للوجہ الاعرابی والمعنے العربی، فھو قرآن کلھا۔ و ان احتمل بعضــھا دون بعض فان صح اســناد مالم یحتملہ، وکانت موافقۃ للوجہ الاعرابی۔ والمعنی العربی فھی الشـاذۃ لھا حکم اخبار الاحآد فی الدلالۃ علی مدلولھا۔ و سـواء کانت من القراء ات السـبع او من غیرھا۔ و اما مالم یصح اسنادہ مما لم یحتملہ الرسم فلیس بقرآن ولا منزل منزلۃ اخبار الأحاد"[2]

حاصل یہ ہے کہ جس چیز پر مصحف شریف مشتمل ہے اور مشہور قراء اس کے اوپر متفق ہیں تو وہ قرآن ہے۔ قراء ات عشرہ متواتر ہونے کی بنا پر یقینی طور پر قرآن ہیں اور قرآن کی قطعی نصوص ہیں۔ چنانچہ قراءات متواترہ کے حجت اور تفسیر کا ماخذ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جمع بین القر اتین میں فقہا کا طریقہ:

کسی کلمہ قرآنی میں دو متواتر قراءتین مفسرین وفقہا کے نزدیک دو آیات کی طرح ہیں۔ ان کی تفسیر اس طرح کی جائے گی جس طرح ایک مسئلہ میں وارد شدہ دو آیات کی تفسیر کی جاتی ہے۔ علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں:"و ایضاً فان القراء تین کالآیتین فی احداھما الغسل و فی الاخریٰ المسح لا حتما لھما للمعنین فلو وردت ایتان احدٰھما توجب الغسل والاخری المسح لما جاز ترک الغسل الی المسح۔"[3](اور دو قراءتین دو آیتوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے ایک دھونے کو واجب قرار دیتی ہے اور دوسری مسح کو واجب قرار دیتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ چنانچہ اگر بالفرض دو آیتیں نازل ہو جائیں ایک کا موجب دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح ہوتا، تو پھر دھونے کو مسح کے مقابلے میں ترک کرنا جائز نہ ہوتا۔)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:**"وما القراء ۃ الاخریٰ وھی قراء ۃ من قرأ وارجلکم بالخفض فھی لا تخالف السنۃ**

---

[1] ابن حاجب، جمال الدین ابو عمرو عثمان، مختصر منتھی السؤل والامل فی علم الاصول والجدل، (بیروت: دار ابن حزم، 1427ھ)، ص:372

[2] الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، ج1، ص:82

[3] الجصاص، احکام القرآن، ج2، ص:433

CC BY

المتواترہ اذ لقراء تان کالآیتین"[1] (اور بہر حال دوسری قراءت جو کہ وارجلکم زیر کے ساتھ ہے وہ سنت متواترہ کے مخالف نہیں ہے اس لیے دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

> "ولیس من المتشابۃ ان تقرأ الاٰیۃ بقراء تین ویکون لاسم محتملاً او مجملاً یحتاج الی تفسیر لان الواحب منہ قدر ما یتناولہ الاسم او جمعہ والقراء تان کالاٰیتین یجب العمل بموجبھا جمیعاً[2]۔" (یہ بات تشابہ میں سے نہیں ہے کہ کوئی آیت دو قرأتوں سے پڑھی گئی ہو اور رسم، احتمال یا اجمال کی وجہ سے تفسیر کا محتاج ہو۔ کیونکہ ثابت تو اس میں سے اسی قدر ہو گا جس کو اسم شامل ہو گا یا تمام ثابت ہو گا اور دو قرأتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔ دونوں کے موجب پر عمل کرنا ضروری ہے۔)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں اس اصول کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: **"ومن القواعد الاصــولیۃ عند الطائفتین ان القراء تین المتواتر تین اذا تعارضــتا فی آیۃ واحدۃ فلھا حکم آیتین**"[3] (اصولی قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ متواتر قراءتین جب ایک آیت میں متعارض ہو جائیں تو ان کا حکم دو آیتوں کی طرح ہے)

دو قراءتوں میں وقوع تعارض:

دو قراءتوں میں کچھ تعارض واقع ہو جانا ممکن ہے۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے جیسا کہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: "یقع التعارض بین الآیتین وبین القراء تین"[4] (دو آیتوں اور دو قراءتوں کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے۔) علامہ سیوطی فرماتے ہیں: "وتعارض القراء تین بمنزلۃ تعارض الآیتین"[5] (دو قراءتوں کا تعارض دو آیتوں کے تعارض کی طرح ہے)۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: **"بین القراء تین تعارض ظا ھر والحکم فیما ظاھرہ التعارض انہ ان امکن العمل بھا وجب، والاعمل بالقدر الممکن ولا یتأ تی الجمع بین الغســل والمسح فی عضــو واحد فی حالۃ واحدۃ لانہ یؤدی الی تکرار المسح لان الغســل یتضــمن المسح والامر المطلق لا یقتضی۔**

---

[1] ابن تیمیہ، کتب ورسائل ومجموعۃ فتاویٰ فی الفقہ، (بیروت: مکتبہ ابن تیمیہ، 2002ء)، ج21، ص:131

[2] القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، (ریاض: دار عالم الکتب، 1423ھ)، ج4، ص:11

[3] آلوسی، علامہ شہاب الدین السید محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، (لاہور: مکتبۃ الرشیدیہ، 2012ء)، ج6، ص:66

[4] السرخسی، شمس الائمہ، اصول السرخسی، ج2، ص:12

[5] السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، فصل فی بیان المعارضۃ بین النصوص، ص:1484

التکرار، فبقی أن یعمل بھما فی حالتین توفیقاً بین القراتین و عملا بالقدر الممکن"[1](دو قراءتوں میں ظاہری تعارض ہے اور ظاہری تعارض والی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو یہ ہی واجب ہو گا۔ ورنہ بقدر امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں ایک عضو میں 'غسل' اور 'مسح' کو ایک ہی حالت میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے اس لیے غسل مسح کو بھی شامل ہوتا ہے۔ جب کہ امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ لھٰذا یہی صورت باقی رہی کہ دونوں قراءتوں پر دو مختلف حالتوں میں عمل کیا جائے۔ تاکہ دونوں قرا ءاتوں میں موافقت ہو جائے اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔)، اسی طرح تفسیر نیل المرام میں علامہ قنوجیؒ اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"**و قدر تقرر ان القراء تین بمنزلۃ الآیتین فکما أنہ یجب الجمع بین الآیتین احداھما علی زیادۃ العمل بتلک الزیادۃ کذالک یجب الجمع بین القراء تین**"[2](یہ بات ثابت ہے کہ دو قراء تین دو آیتوں کی طرح ہیں تو جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق کرنا ضروری ہے جن میں سے ایک آیت کسی زائد معنی پر مشتمل ہو۔ اسی طرح دو قراءتوں میں بھی جمع و تطبیق واحب ہے)

قراءات متواترہ کے تفسیر پر اثرات:

مندرجہ بالا مباحث کی وضاحت چند مثالوں کے ذریعے سے کی جاتی ہیں جن سے متواتر قراءات کے تفسیر پر اثرات کی وضاحت ہو سکے گی۔

اثرات اثر کی جمع ہے۔ جس کا معنی "رسم الشئی الباقی"[3] یعنی کسی چیز کے چھوڑے ہوئے آثار، یا وہ نتیجہ ہے جو کسی چیز سے حاصل ہوتا ہے۔[4] تفسیر سے مراد کسی مشکل، مبہم اور مجمل چیز کے مفہوم کو کھول کر بیان کرنا ہے[5]۔ اور تفسیر قرآن کا مطلب ہے کہ قرآن کے منطوق الفاظ کے معانی کو کھول کر بیان کرنا۔ اس میں پیدا کردہ اشکالات کو دور کرنا۔ یہ جاننے کے لیے ان سے اللہ کی مراد کیا ہے۔ اس بحث سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ دو مختلف متواتر قراءتیں کیسے معنی میں مزید وسعت، مختلف پہلوؤں کی وضاحت اور ایک دوسرے کے معنی کی تکمیل کرتی

---

[1] ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، محقق: فواد عبد الباقی، (لبنان: دار المعرفۃ، 1379ھ)، ج 1، ص: 268

[2] القنوجی، صدیق حسن، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، (قطر: دار احیاء التراث الاسلامی، 1989ء)، ج 1، ص: 72

[3] ابن فاس، ابو الحسن احمد، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق عبد السلام ھارون، (بیروت: دار الفکر، 2004ء)، ج 1، ص: 53

[4] الجرجانی، علی بن محمد بن علی الشریف، التصریفات، (بیروت: مبطعۃ دار المامون، 2003ء)، ص: 30

[5] فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، (بیروت: احیاء التراث العربی، 1999ء)، مادہ ف س ر، ص: 587

cc BY

ہیں۔[1] جیسا کہ درج ذیل مثال سے واضح ہے:

مثال:

۱) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:94)

۲) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (الحجرات: 6)

ان دونوں آیتوں میں کلمہ قرآنی فَتَبَيَّنُوا کے اندر دو قراء تیں ہیں:

الف: فتثبّتوا حمزہؒ، کسائیؒ اور خلفؒ

ب: فتبينوا باقی سب قراء[2]

دونوں قراء تیں باب تفعل سے امر کے صیغے ہیں لیکن مادہ کا فرق ہے۔ فتبيّنوا کا مادہ بین ہے اور دوسری قراءت فتثبّتوا ہے اس کا مادہ ثبت ہے۔ امام ابن خالویہ لکھتے ہیں:"يقراء بالبا من التبين وبالثاء من التثبت والامر بينهما قريب لآن من تبين فقد تثبت ومن تثبت فقد تبيّن"[3] (با سے پڑھا جائے تو تبین ہے اور ثا کے ساتھ تثبت سے ہے اور امر ان دونوں میں قریب ہے۔ کیونکہ جو شخص معاملہ کو کھول کر واضح کر دے تو اس کو ثبوت بھی مل جاتا ہے اور جو ثبوت حاصل کر لے، معاملہ اس پر واضح ہو جاتا ہے)

لیکن بعض حضرات کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے۔ ان کے نزدیک تبیین عام ہے اس کے معنی میں ثبوت بھی پایا جاتا ہے لیکن تثبت خاص ہے۔ اس میں تبین اور وضاحت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی معاملے کا ثبوت اور دلیل تو مل جائے لیکن وہ واضح اور قابل فہم نہ ہو۔ اس بات کے قائل امام قیسیؒ ہیں جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:"و ليس كل من تثبت فى امر تبينه، قد تثبيت ولآيتين له الامر فالتبين اعم من التثبت فى المعنى لاشتمالاله على التثبت"[4] (ایسا نہیں کہ کسی معاملے کا ثبت مل جائے اور وہ واضح بھی ہو کبھی ایسا

---

[1] الذھبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1413ھ)، ج1، ص:15

[2] ابن الجوزی، النشر فی القراءات العشرہ، ج2، ص:251

[3] ابن خالوایہ، الحجۃ (الریاض: مکتبۃ دار المناہج للنشر والتوزیع، 1426ھ)، ص:63

[4] القیسی، مکی ابن ابی طالب، الکشف عن وجوہ القراء السبع وعللھا وحججھا، تحقیق ڈاکٹر محی الدین رمضان، (دمشق: دار الفکر، 1974ء)، ج1، ص:394-395

CC BY

ہوتا ہے کہ معاملہ کا ثبوت تو مل جاتا ہے لیکن وہ واضح نہیں ہوتا پس تبین عام ہے اس کے معنی میں ثبوت بھی پایا جاتا ہے۔)، اسی طرح امام ابن عطیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:"و قال قوم تبينوا أبلغ و اشد من تثبتوا لان المثبت قدلايتبين"[1]

(اور قوم نے کہا "تبیّنوا" غالب ہے "تثبتوا" سے کیونکہ ثابت کبھی واضح نہیں ہوتا۔)

قراءت کا معنی:

یہ دونوں قراء تین قریب المعنی ہیں لیکن ان دونوں کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی معاملہ کی وضاحت اور تبیین میں تثبیت یعنی تحمل اور اتنا ٹھہراؤ اختیار کیا جائے اور جلد بازی نہ کی جائے یہاں تک کہ حقیقت بالکل کھل کر واضح ہو جائے جیسا کہ مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں: فَتَبَيَّنُوا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ایسی خبر پر اس وقت تک عمل جائز نہیں جب تک اس کی پوری وضاحت نہ کرلی جائے اور ایک قراءت میں یہ لفظ فتثبتوا پڑھا گیا ہے یعنی اس کی دلیل حاصل کرلو[2]

حاصل قراءات:

ان دونوں قراءات کا معنی سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی معاملے کی تحقیق میں معاملات کو ہر اعتبار سے جانچنا اور بغیر تحقیق کے کسی خبر کو قبول کرنا بعد میں شرمندگی اور افسوس کا باعث ہو سکتا ہے۔

سوال تحقیق کا جواب (اختصاراً):

آغاز مقالہ میں جو تحقیق کے لئے بنیادی سوال کیا گیا تھا، اس تحقیق کی روشنی میں اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

فقہاء کے ہاں قراءات متواترہ کے حجت ہونے پر اور ان سے مسئلہ مستنبط کرنے میں کسی کے ہاں قابل ذکر اختلاف نہیں پایا جاتا البتہ بعض صورتوں میں استنباط کے اصول میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

جس طرح عام نصوص قرآنیہ سے فقہاء کرام کے استنباط کے اصول ہیں۔ اسی طرح قراءات کے حوالے سے بھی فقہاء کرام کے استنباط کے اصول ہیں۔

قراءات متواترہ کا تفسیر اور فقہ میں اہم کردار ہے کہ کبھی دو مختلف متواتر قرأتیں مل کر معنیٰ میں وسعت پیدا کرتی ہیں تو کبھی دونوں مل کر مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کرتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے کے معنی کی تکمیل کرتی ہیں۔

---

[1] ابن عطیہ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1421ھ / 2001ء)، ج2، ص:96

[2] کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن، (کراچی: مکتبۃ الشیخ، 2008ء)، ج6، ص:452

جمہور علماء، ائمہ اربعہ اور مذاہب اربعہ کے اکثر اصولیین اور فقہا بعض شرائط کے ساتھ قرأت شاذہ کی حجیت کے قائل ہیں اور یہی موقف دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط ہے۔

جس طرح قراءاتِ متواترہ سے شرعی احکام اور عربی زبان وادب میں استنباط جائز ہے اسی طرح قراءات شاذہ کا شرعی احکام میں حجت ہونا، خصوصاً علوم عربیہ میں قراءات شاذہ کی اہمیت قراءات متواترہ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ اور علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عربی کے وہ الفاظ جو ہمیں قراءات شاذہ کے توسط سے پہنچے ہیں، وہ بھی اسی طرح قابل اعتماد ہیں، جس طرح بطریق تواتر پہنچنے والے الفاظ معتبر اور قابل اعتماد ہیں۔

اسی طرح قراءات شاذہ کا بھی تفسیر اور فقہ میں اہم کردار ہے جیسے قرآن مجید میں بہت سے تفسیری اشکالات کو دور کرتی ہے تو فقہ میں بہت سے مسائل کے متنوع پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔

فرضیہ تحقیق کا جائزہ:

تحقیق کے نتیجہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ فرضیہ درست ہے کہ قراءات توقیفی ہیں اور ان کا تفسیر اور فقہ میں واضح کردار ہے۔ اور تحقیق سے یہ امر بھی ثابت ہوا کہ یہ سوچ باطل ہے کہ قراءات قرآنی غیر منقولی ہیں۔ یہ تو محض لغات اور لہجات کی پیداوار ہیں ۔اس طرح تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ بات بھی درست نہیں کہ نص قرآنی کے فہم میں ان کا کوئی کردار نہیں۔

نتائج تحقیق:

اس تحقیق کے بعد بطور نتائج کے چند حقائق سامنے آتے ہیں کہ علم قراءات قیاسی اور اجتہادی علم نہیں بلکہ منقولی اور سماعی علم ہے۔

جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپؓ نے مصحف صدیقیؓ سے نقول تیار کروائیں اور پھر صرف نقول پر اکتفا نہ کیا بلکہ ساتھ ہر علاقے کے لیے قراء کی بھی تقرری کی۔ ساتھ ہی اس امر پر بھی تنبیہ کر دی کہ خود قراءات توقیفی ہیں لیکن قراءات کی حیثیت کا تعین، اس کی شرائط اور اس سے احکام کا اخذ کرنا یہ سب امور اجتہادی ہیں۔

یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے لیے لہجہ قریش ہی موزوں اور مناسب تھا۔ اس پر ہی نزول قرآن ہوا۔ لیکن جب دیگر قبائل کو دقت کا سامنا ہوا تو دیگر مشہور اور فصیح لہجات میں قرآن حکیم کو پڑھنے کی اجازت دی گئی تا کہ قرآن (جو کہ پیغام اول ہے) مخاطبین میں سے ہر شخص تک بآسانی پہنچ سکے۔ پھر مرورِ وقت کے ساتھ اس بات کو واضح کیا گیا کہ یہ اجازت، رخصت تھی کوئی کھلی چھٹی نہیں تھی جیسا کہ

CC BY

متجددین حضرات نے خیال کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان تھا اقرؤ ا کما علمتم۔ (جیسے تمھیں پڑھایا گیا ہے ویسے ہی پڑھو۔) اس سے یہ بات بھی واضح ہو گی کہ اس اجازت اور پھر اس کی تعلیم کے نتیجہ میں جو اختلاف رونما ہوا وہ منقولی تھا۔

اور پھر ان لہجات میں صحابہ کرامؓ کے پڑھنے کے واقعات کو اسلامی ورثہ میں موجود احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا۔ اور اس بات کو بھی دلائل سے واضح کیا گیا کہ جن کلمات کی ادائیگی مشکل ہونے کی وجہ سے پڑھنے کی رخصت دی گئی تھی۔ جب لغت قریش تمام علاقوں پر غالب آگئی اور لہجات کی کلفت دور ہو گئی تو صرف عرضہ ئہ اخیرہ میں قائم رہنے والے لہجات کو باقی رکھا گیا اور باقی تمام منسوخ ہو گئے۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہو گی کہ اس وقت پڑھی جانے والی قراءات وہی لہجات ہیں اور اس تحقیق کے نتیجہ میں باقی ماندہ لہجات و قراءات میں نظر آنے والا اختلاف (جو قراءات صحیحہ کی شرائط پر پورا اترنے والی قراءات میں پایا جاتا ہے) کے بارے میں دو امر کھل کر سامنے آتے ہیں:

1۔ یہ اختلاف کسی غلطی یا تحریف یا بدنیتی کا ثمرہ نہیں بلکہ یہ خصوصی رعایت اور حکیمانہ شفقت کا مظہر ہے۔

2۔ یہ اختلاف وجوہ ادا یعنی ادائیگی کی مختلف صورتیں مثلاً اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد، قصر، امالہ، فتح، تحقیق، تسہیل اور ابدال و نقل وغیرہ جیسے اہل فن کی اصطلاح میں قراءات کا اصولی اختلاف کیا جاتا ہے۔ اس سے معنی اور مفہوم پر کوئی اثر یا تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور دوسرا اختلاف مفردتِ قراءات جسے اہل فن فرشی اختلاف یا فروعی اختلاف بھی کہتے ہیں۔ اس لیے اگرچہ بعض اوقات معنی بدل بھی جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ اختلاف تعدد اور تنوع کا اختلاف ہے۔ تضاد و تناقص کا اختلاف نہیں کہ جس سے آیات کے مجموعی و مقصود میں کوئی ایسی تبدیلی یا تضاد پیدا نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ایک قرأت کو دوسری کے ساتھ جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ یا ایک قرأت کے صحیح ہونے سے دوسری کو غلط کہنا لازم آئے بلکہ اس اختلاف کے دامن میں انسانی رہنمائی کا خاصا سامان موجود ہے۔